انتظامی علوم کے بنیادی عناصر اور فکر اقبال

محمد منیر احمد

علامہ محمد اقبال کی شاعری میں زندگی کے بہت سے پہلوؤں پر اظہارِ خیال ملتا ہے۔ انتظامیات بھی ایک ایسا پہلو ہے جس پر علامہ کی شاعری سے رہنمائی لی جا سکتی ہے۔ اقبال نے اگرچہ ان افکار کو اس مخصوص عنوان کے تحت بیان نہیں کیا تاہم انھوں نے تنظیم، تحریک، جستجو، تلاش، جرأت و بہادری اور علم و عمل وغیرہ کے بارے میں جہاں اور جس انداز میں بھی بات کی ہے اس سے ان کی فکری رسائی کے وسیع تر حدود کی نشاندہی ہوتی ہے۔ فکر اور سوچ فراہم کرنا، جہد مسلسل کی ترغیب دینا، اشتیاقِ عمل پیدا کرنا، امید و رجا سے آشنا کرنا، تحقیق و تجسس سے کام لینا، اپنے علم کو منضبط کرنا اور قائدانہ کردار کے ساتھ آگے بڑھنا وہ پہلو ہیں جن پر عہدِ حاضر کی انتظامیات کی بنیادیں استوار ہیں۔ ان تمام عناصرِ ترکیبی کو اقبال کی شاعری میں بھرپور انداز میں دیکھا جا سکتا ہے۔ بلاشبہ کلامِ اقبال سے بہت کچھ اخذ کیا جا سکتا ہے مگر ضرورت اس فکر کو اپنانے اور اسے عام کرنے کی ہے جو علامہ نے پیش کی۔

اگرچہ انتظامیات کا مضمون خاصا پرانا ہے مگر اس کی اہمیت یورپ کے صنعتی انقلاب کے بعد بڑھنا شروع ہوئی۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ انتظامیات تین چیزوں کو کنٹرول کرنے کا نام ہے اور وہ ہیں Man,Machine and Material ۔ صنعتی دور میں Machine and Material بہت اہمیت کے حامل تھے۔ اداروں میں کام کرنے والے لوگوں کی کوئی خاص وقعت نہیں تھی کیونکہ وہ صرف Worker تھے۔

1950 اور 1960 کی دہائیوں کو ترقی کی دہائیاں کہا جاتا ہے۔ اس دور میں پہلی بار اداروں میں کام کرنے والے افراد کی اہمیت اور ان کی صلاحیتوں پر توجہ دی گئی۔ اداروں میں HR (انسانی ذرائع) کے ڈیپارٹمنٹ بنائے گئے۔ افراد اور ادارے کی ضروریات کو ہم آہنگ کرنے پر زور دیا گیا۔ ان دہائیوں میں Management کے مضمون میں بہت ترقی ہوئی اور MBA کی ڈگری کو بڑی پذیرائی ملی۔ بیسویں صدی کے آخر میں اس مضمون میں مزید وسعت آئی اور ایک Corporate World وجود میں آئی۔ Information

آج انسانی زندگی کو منظم Management Science مختصر Tehcnology نے ایک نئی جہت کا آغاز کیا۔ قصہ مختصر
اور کامیاب انداز میں گزارنے کا سبق دے رہی ہے۔ بے شمار کتابیں اس موضوع پر موجود ہیں جو کامیابی
اور اعلیٰ کارگردگی کے طریقے بتاتی ہیں۔ Management کا مضمون بہت وسیع ہے مگر موجودہ دور میں چار
چیزوں کی بہت اہمیت ہے

۱-خوب سے خوب تر کی تلاش(Motivation for Excellence)

۲-تحقیق و ترقی (Creative Thinking and Development)

۳-انضباطِ علم (Knowledge Management)

۴-مینجر بطور رہنما(Manager as a Leader)

۱-خوب سے خوب تر کی تلاش

آج کے دور میں صرف Management کوئی کمال کی بات نہیں۔ بلکہ خوب سے خوب تر کا حصول ہی ایک Manager کی منزل ہے۔ اس مقام تک پہنچنے کے لیے ایک خاص جذبہ اور لگن کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر جب Bill Gates کو IBM نے اپنے نئے PC کے لیے Operating System چھ ماہ میں بنانے کا Contract دیا تو Bill Gates نے اپنی ماں کو فون پر بتایا کہ اب وہ اسے چھ ماہ کے بعد ملے گا۔ اور اس نے دن رات کام کر کے اپنا Task پورا کر لیا۔

Stephen Covey نے اپنی کتاب *The 8th Habit* میں خوابیدہ صلاحیتوں کو جاننا Management کا انتہائی اہم پہلو قرار دیا ہے۔ وہ اسے Find Your Voice کا نام دیتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ اپنے آپ کی پہچان ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب اپنی آواز کی پہچان ہو جائے تو دوسروں کو ترغیب دی جائے تا کہ وہ بھی اپنی آواز کو پہچان لیں۔ گویا زندگی میں کمال اس وقت ہی پیدا ہوگا جب انسان فطرت کی عطا کردہ خوابیدہ صلاحیتوں سے آگاہ ہو جائے۔ اپنے نقطۂ نظر کو واضح کرنے کے لیے وہ حافظ کی ایک نظم کا سہارا لیتے ہیں کہ فطرت نے انسان کو اس کی پیدائش کے وقت کئی Birthday Gifts دیے ہیں مگر یہ تحائف ابھی تک کھولے نہیں گئے۔ انسانی زندگی کا کمال انھیں تحائف کو سمجھنے اور ان سے فائدہ اٹھانے میں ہے۔ وہ بنگلہ دیش کے پروفیسر محمد یونس کو بطور مثال پیش کرتے ہیں جنھوں نے بنگلہ دیش کے غریب عوام کی ضرورت کو محسوس کیا اور اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ۲۵ سال کی جدوجہد کے بعد کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ انھوں نے پہلے اپنی آواز پہچانی پھر دوسروں کو اس پر آمادہ کیا جس کے نتیجے میں Grameen Bank وجود میں آیا جو کہ ایک معجزہ فن ہے۔ دوسرے الفاظ میں Motivation اس وقت آئے گی جب انسان اپنی خوابیدہ صلاحیتوں سے آگاہ ہو جائے گا۔ پھر وہ بڑے سے بڑا معرکہ بھی سر کر سکے گا۔ علامہ اقبال کی زبان میں یوں

کہا جا سکتا ہے کہ انسان میں جب عقابی روح بیدار ہوتی ہے تو اسے اپنی منزل آسمانوں میں نظر آتی ہے۔

۲۔ تحقیق و تجسس

دورِ حاضر کی Management کا دوسرا طرۂ امتیاز سوچ بچار اور تحقیق و تجسس ہے جسے ہم Creative Thinking اور Research and Development کے ناموں سے جانتے ہیں۔ Edward De Bono عہد حاضر کے مشہور Management Scholar ہیں Thinking کی اہمیت پر بہت زور دیتے ہیں۔ "Lateral Thinking" کے نام سے انھوں نے ایک نئی اصطلاح وضع کی ہے جسے Oxford English Dictionery نے یوں بیان کیا ہے:

> Unconvential approach to solving problems - a way of solving problems by unconvential or apparently illogical means rather than using a traditionally logical approach.

ان کا کہنا ہے کہ معجزہ فن کے لیے Lateral Thinking سے کام لینا ضروری ہے۔ انھوں نے اس سلسلے میں ۱۹۸۴ء میں Los Angles میں منعقد ہونے والے اولمپکس گیمز کی مثال دی ہے۔ ۱۹۷۶ء میں مانٹریال میں ہونے والے اولمپکس گیمز کی انتظامیہ کو بہت زیادہ نقصان اُٹھانے کی وجہ سے ۱۹۸۴ء میں کوئی شہران کھیلوں کے لیے تیار نہیں تھا۔ Los Angles بھی اس لیے تیار ہوا کہ اسے Organizing Committee نے نقصانات پورے کرنے کی گارنٹی دی تھی۔ مگر ان کھیلوں کے انعقاد میں Lateral Thinking کی Technique استعمال کی گئی اور انتظامیہ کو اس میچ سے ۲۲۵ ملین ڈالر کا منافع ہوا۔ Peter Uoberroth جو کہ منتظمِ اعلیٰ تھا اس نے ایک رہنما کی طرح اپنی Team کو Motivate کیا اور ان کا slogan تھا:

"Ignite your Inner Light"

Edward De Bono نے دوسری اصطلاح *Six Thinking Hats* کے نام سے دی یعنی سوچ و بچار کو رنگوں سے منسلک کر دیا۔ پھر انھوں نے Opportunity کو نئے انداز سے بیان کیا کہ Opportunity وہ نہیں ہے جو کہ موجود ہو Opportunity وہ ہے جو نظر آ جائے اور جس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ دوسرے الفاظ میں یہ سوچ بچار اور نگاہ کی بات ہے۔ کائنات تو ازل سے موجود ہے نام اسی کا ہوا جس نے اسرارِ کائنات کو جان لیا۔ بتدریج سائنسی ترقی اس بات کی گواہ ہے۔

تحقیق و تجسس کی عملی شکل Research & Development کے ادارے ہیں جن میں مغرب کی موجودہ ترقی مضمر ہے۔ ہر ادارے میں بجٹ کا ایک بہت بڑا حصہ R & D کے لیے رکھا جاتا ہے۔ ۲۰۰۶ء میں امریکہ میں اس مد میں ۳۳۰ ارب ڈالر خرچ ہوئے۔ چین میں ۱۵۰ ارب ڈالر خرچ ہوئے اور جاپان میں اس ضمن میں خرچ ۱۳۰/ارب ڈالر تھا۔

۳- انضباطِ علم

جذبہ و لگن اور تحقیق و تجسس کے نتیجے میں ایک ماحول وجود میں آئے گا جسے ہم علمی ماحول (Knowledge Environment) کہتے ہیں اور جو آج Management Science کا اہم ترین جزو ہے۔ Management کا تیسرا بڑا اسکالر Peter Drucker ہے جو پچھلے ۵۰ سال تک Management کے علم پر چھایا رہا۔ اس کا کہنا ہے کہ آج کے دور کی سب سے بڑی ضرورت Knowledge Management ہے وہ Knowledge Work اور Knowledge Worker کا بار بار ذکر کرتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ صنعتی دور یا اس سے پہلے Knowledge بہت کم لوگوں کے پاس تھا۔ زیادہ لوگ Worker تھے یعنی وہ Knowledgeable نہیں تھے۔ اب علم ہر جگہ ہے اور عام ہے۔ اس لیے Manager Knowledge Management کی ذمہ داری ہے۔

۴- مینجر بطور رہنما

انتظامیات میں Leader کا کردار مرکزی ہے۔ جذبہ و شوق، تحقیق و تجسس اور علم کو منظّم کرنا، منتظم (Manager) جو کہ ایک لیڈر بھی ہے اس کی ذمہ داری ہے۔ ایک لیڈر کو کیسا ہونا چاہیے۔ اس میں کیا خوبیاں ہوں اس کے بارے میں بہت زیادہ لٹریچر دستیاب ہے۔ بہت سی نئی theories سامنے آئی ہیں۔ مثلاً Servant Leadership, Spiritual Leadership, Leader as Teacher یعنی رہنمائی خدمت کے مترادف ہو گئی۔ ملازم، گاہک اور پوری community کی خدمت لیڈر کی ذمہ داری ہے۔ اس خدمت کے لیے ضروری ہے کہ لیڈر دردمند ہو۔ لوگوں کی بات غور سے سنے، ان میں Motivation پیدا کرے، اس میں دور اندیشی ہو اور دوسروں کی خدمت کا جذبہ ہو۔ بیسویں صدی کے آخر میں لیڈر کو spiritual رول بھی دے دیا گیا۔ لیڈر کا کام افراد میں ایک ربط پیدا کرنا ہے۔ اس کے حصول کے لیے وہ افراد کے actions کو کنٹرول کے ساتھ ساتھ ان کے souls کو بھی influence کرتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اب فرد کی روحانی motivation کی بات شروع ہوئی۔ Stephen Covey نے ۲۰۰۴ء میں "Whole Person" کی ترکیب میں body, mind, heart and spirit کا ذکر کیا اور معجزۂ فن کے لیے heart and spirit کی آسودگی اور بالیدگی لازمی قرار دی۔

انتظامیات کے بنیادی عناصر اور علامہ اقبال کے افکار

علامہ اقبال روایتی شاعر نہیں ہیں انھوں نے شعر کی زبان میں انسان کو کامیاب زندگی گذارنے کا طریقہ بتایا ہے جو فطرت کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہے۔ اوپر ہم نے ان ستونوں کا ذکر کیا جن پر موجودہ دور کی Management Science کھڑی ہے۔ اب ہم انھی ستونوں کے بارے میں علامہ اقبال کے خیالات بیان کرتے ہیں جو ان کے شعروں میں موجود ہیں۔

۱- خوب سے خوب تر کی تلاش

Management کے سارے مکاتبِ فکر اس بات پر متفق ہیں کہ Organization کی کوئی بھی قسم ہو، چاہے وہ Manufacturing concern ہو یا کوئی ہسپتال ہو یا فوجی تنظیم یا ریسرچ کا ادارہ ہو۔ اعلیٰ ترین کارکردگی انتہائی جدوجہد اور انتھک محنت کے بعد سامنے آتی ہے۔ اس چیز کو علامہ اقبال یوں بیان کرتے ہیں۔

رنگ ہو یا خشت و سنگ، چنگ ہو یا حرف و صوت
معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود

یہ کوئی اتفاقی شعر نہیں ہے انھوں نے اس بات کو بار بار بیان کیا ہے:

نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

یا مردہ ہے یا نزع کی حالت میں گرفتار
جو فلسفہ لکھا نہ گیا خونِ جگر سے

علامہ اقبال بنیادی طور پر motivation کے شاعر ہیں۔ ان کی شاعری میں ایک زبردست تحریک ہے۔ جذبہ ابھارنے والے اشعار بار بار ملتے ہیں۔ وہ خوابیدہ صلاحیتوں کی اہمیت اور عظمت سے انسان کو آگاہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ترا جوہر ہے نوری، پاک ہے تو
فروغِ دیدۂ افلاک ہے تو

عروجِ آدمِ خاکی کے منتظر ہیں تمام
یہ کہکشاں، یہ ستارے، یہ نیلگوں افلاک

علامہ اقبال تخیلِ پرواز کی بات کرتے ہوئے انسان کو اعلیٰ ترین سوچ کی ترغیب دیتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اقبال mediocrity کے قائل نہیں ہیں۔

ترا اندیشہ افلاکی نہیں ہے
تری پرواز لولاکی نہیں ہے
یہ مانا اصل شاہینی ہے تیری
تری آنکھوں میں بے باکی نہیں ہے

یہ ساری وہی باتیں ہیں جنھیں Stephen Covey نے ۲۰۰۴ء میں Find your voice کا نام دیا ہے۔

جب جوش و خروش کا ذکر آتا ہے تو علامہ اقبال کا اپنا انداز ہے۔ ان کا بیان دل کو چھوتا اور انسان میں جوش و ولولہ پیدا کرتا ہے۔

ترے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے
خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے
عبث ہے شکوۂ تقدیرِ یزداں
تو خود تقدیرِ یزداں کیوں نہیں ہے؟

اقبال انسان کو جہدِ مسلسل کا سبق دیتے ہیں کہ زندگی چلتے رہنے کا نام ہے۔ منزل مقصود نہیں ہے۔ ذوقِ سفر ہی زندگی ہے۔ یہی وہ جذبہ ہے جس سے معجزۂ فن وجود میں آتا ہے:

تو رہ نوردِ شوق ہے منزل نہ کر قبول
لیلیٰ بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول
اے جوے آب بڑھ کے ہو دریائے تندوتیز
ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول

علامہ اقبال افراد کے ساتھ قوموں کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ جب ذوق و شوق معاشرے کے تمام افراد کی زندگی میں شامل ہو جاتا ہے تو وہ قومیں دنیا میں ممتاز ہو جاتی ہیں۔

نشاں یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا
کہ صبح و شام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں
کمالِ صدق و مروت ہے زندگی ان کی
معاف کرتی ہے فطرت بھی ان کی تقصیریں
قلندرانہ ادائیں، سکندرانہ جلال
یہ امتیں ہیں جہاں میں برہنہ شمشیریں

علامہ اقبال زندگی اسی کو کہتے ہیں جس میں کوئی آرزو ہو۔ کیونکہ زندگی نام ہی آرزو اور خواہش کا ہے۔ آرزو اور تمنا میں ہمیشہ ایک قسم کی بے تابی، تڑپ اور جستجو ہوتی ہے۔ اور یہی احساسات ترقی اور زندگی کے نشانات ہیں:

متاعِ بے بہا ہے درد و سوز آرزو مندی
مقامِ بندگی دے کر نہ لوں شانِ خداوندی

ہر اک مقام سے آگے مقام ہے تیرا
حیات ذوقِ سفر کے سوا کچھ اور نہیں

پیام مشرق میں علامہ کہتے ہیں کہ موج اس وقت تک قائم ہے جب تک اس میں پیچ و تاب ہے۔ اگر پیچ و تاب نہیں تو موج نہیں گویا پیچ و تاب اور بے قراری ہی موج کا نام ہے۔

ظلامِ بحر میں کھو کر سنبھل جا
تڑپ جا ، پیچ کھا کھا کر بدل جا
نہیں ساحل تری قسمت میں اے موج
ابھر کر جس طرف چاہے نکل جا

ذوق و شوق کے ساتھ ساتھ علامہ اقبال تحقیق و تجسس پر بہت زور دیتے ہیں۔ پوری کائنات انسان کے لیے ہے اور اسے سوچ بچار کی دعوت دے رہی ہے۔ مگر اس کے لیے نگاہِ شوق کی ضرورت ہے۔

یہ کائنات چھپاتی نہیں ضمیر اپنا
کہ ذرے ذرے میں ہے ذوقِ آشکارائی
کچھ اور ہی نظر آتا ہے کاروبارِ جہاں
نگاہِ شوق اگر ہو شریکِ بینائی

۲- تحقیق و تجسس

علامہ اقبال فہم و ادراک اور تحقیق و تجسس کی بات بھی بڑی تاکید کے ساتھ کرتے ہیں۔ نئے نئے فکر و عمل کی اہمیت پر زور دیتے ہیں۔ آج کے دور میں Edward De Bono کہتے ہیں سوچ بچار کے لیے مروجہ طریقوں کو چھوڑ کر نئے نئے انداز سے سوچ بچار کرنا چاہیے، سوچنے کا یہ انداز ہی معرکے سر کرے گا۔ علامہ اقبال نے ان رازوں سے ۱۹۳۰ء میں ہی پردہ اٹھا دیا تھا۔

ندرتِ فکر و عمل کیا شے ہے، ذوقِ انقلاب
ندرتِ فکر و عمل کیا شے ہے، ملت کا شباب
ندرتِ فکر و عمل سے معجزاتِ زندگی
ندرتِ فکر و عمل سے سنگِ خارا لعلِ ناب

بعض اوقات فہم و ادراک کو اجاگر کرنے کے لیے انسان کے لہو کو اس طرح گرماتے ہیں:

آتی ہے دمِ صبح صدا عرشِ بریں سے
کھو گیا کس طرح ترا جوہرِ ادراک

کس طرح ہوا کُند ترا نشترِ تحقیق
ہوتے نہیں کیوں تجھ سے ستاروں کے جگر چاک

اب تک ہے رواں گرچہ لہو تیری رگوں میں
نے گرمیِ افکار نہ اندیشۂ بے باک

اگر منزلِ مقصود کے حصول کا ذکر ہو تو علامہ اقبال کی شوخیِ تحریر مجسم تحریک بن جاتی ہے۔

ملے گا منزلِ مقصود کا اسی کو سراغ
اندھیری شب میں ہے چیتے کی آنکھ جس کا چراغ
میسر آتی ہے فرصت فقط غلاموں کو
نہیں ہے بندۂ حر کے لیے جہاں میں فراغ

ایک اور جگہ جذبۂ تحقیق و تجسس کو یوں بیان کیا ہے:

کوئی دیکھے تو ہے باریک فطرت کا حجاب اتنا
نمایاں ہیں فرشتوں کے تبسم ہائے پنہانی
یہ دنیا دعوتِ دیدار ہے فرزندِ آدم کو
کہ ہر مستور کو بخشا گیا ہے ذوقِ عریانی

نگاہِ شوق کا حصول کوئی آسان چیز نہیں ہے۔ دنیا میں مقصدِ زندگی کو حاصل کرنے کے لیے سخت جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔ کل کی ترقی کے لیے اپنا آج قربان کرنا پڑتا ہے۔ علامہ اقبال کی شاعری ایسے افکار سے بھری پڑی ہے۔ جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

جہاں بانی سے ہے دشوار تر کارِ جہاں بینی
جگر خوں ہو تو چشمِ دل میں ہوتی ہے نظر پیدا
ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ایک اور جگہ اسی چیز کو دوسرے انداز میں بیان کیا ہے:

وہ کل کے غم و عیش پہ کچھ حق نہیں رکھتا
جو آج خود افروز و جگر سوز نہیں ہے
وہ قوم نہیں لائقِ ہنگامۂ فردا
جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے

وہی ہے صاحبِ امروز جس نے اپنی ہمت سے
زمانے کے سمندر سے نکالا گوہرِ فردا

جو عالمِ ایجاد میں ہے صاحبِ ایجاد
ہر دور میں کرتا ہے طواف اس کا زمانہ

ایک جگہ زندگی کو جہد قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

زندگی جہد است و استحقاق نیست
جز بعلم انفس و آفاق نیست
گفت حکمت را خدا خیرِ کثیر
ہر کجا ایں خیر را بینی بگیر

یعنی زندگی کسی قوم کا حق نہیں ہے بلکہ جو قومیں زیورِ علم سے آراستہ اور محنت کی خوگر ہیں انھی کو دنیا میں زندہ رہنے کا حق حاصل ہے۔ ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ تعلیم کے اندر ہی دینی و دنیوی ترقی کا راز پوشیدہ ہے۔ جس قوم میں جہالت کے آثار پیدا ہوئے، سمجھ لینا چاہیے کہ وہ قوم صفحۂ ہستی پر کچھ دنوں کی مہمان ہے۔ زمانہ بہت جلد نقشِ باطل کی طرح اس کو مٹا کر خدا کی زمین کو اس کے وجود سے پاک کر دے گا۔

۳- انضباطِ علم

علامہ اقبال نے ۱۹۰۳ء میں اردو زبان میں معاشیات پر علم الاقتصاد لکھی۔ برصغیر میں معاشیات پر یہ پہلی اُردو کتاب تھی۔ اس کتاب میں علامہ اقبال نے تعلیم کی اہمیت پر بہت زور دیا۔ تعلیم کو معاشی ترقی اور ملکی پیداوار کی افزائش کا لازمی وسیلہ قرار دیا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ۱۹۰۳ء میں مروجہ معاشی علم کے مطابق ذرائع پیداوار سرمایہ، قدرتی ذرائع اور محنت اور لگان تک محدود تھے۔ مغربی دنیا کی نظر میں پیداوار اور تعلیم میں کوئی واضح رشتہ نہیں تھا۔ knowledge worker کی اصطلاح سے اہل مغرب مکمل طور پر نابلد تھے۔ ۱۹۳۰ء تک HRD کا کوئی وجود نہیں تھا۔ مگر اس سے بہت پہلے علامہ اقبال نے اپنے شعروں میں علم کی اہمیت کو بیان کیا۔ بانگ درا میں بچوں کے لیے جو دعا لکھی اس میں بچے کی زبانی کہتے ہیں:

زندگی ہو مری پروانے کی صورت یا رب
علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یا رب

معاشرے کی ترقی کے لیے علامہ اقبال تعلیم کو بہت ضروری قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک قوم کے مرض کی دوا تعلیم ہے۔

اس دور میں تعلیم ہے امراضِ ملت کی دوا
ہے خونِ فاسد کے لیے تعلیم مثلِ نیشتر
رہبر کے ایما سے ہوا تعلیم کا سودا مجھے
واجب ہے صحرا گرد پر تعلیم فرمانِ خضر

افراد کو ان کی عظمت سے آگاہ کرنے کے لیے علم کی بات کرتے ہیں:

ولایت، پادشاہی، علمِ اشیا کی جہاں گیری
یہ سب کیا ہیں فقط اک نکتۂ ایماں کی تفسیریں

ترے علم و محبت کی نہیں ہے انتہا کوئی
نہیں ہے تجھ سے بڑھ کر سازِ فطرت میں نوا کوئی

Knowledge Management بھی علامہ اقبال کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ حصولِ علم اور انضباط علم کا معاشرے کی ترقی پر کیا اثر پڑے گا۔ علم و فن زندگی میں کمال کا پیش خیمہ کس طرح بنے گا۔ یہ سب چیزیں علامہ اقبال کے شعروں میں عیاں ہیں۔ Knowledge Management کی اس سے بڑی مثال کیا ہوسکتی ہے کہ علامہ اقبال علم کو ملت کے نظم اور اعتبار کے برابر خیال کرتے ہیں۔

علم و دولت نظمِ کارِ ملت است
علم و دولت اعتبارِ ملت است
علم از سامانِ حفظِ زندگی است
علم از اسبابِ تقویمِ خودی است

۴-قائدانہ کردار

اب ہم Management کے چوتھے اور انتہائی اہم پہلو leadership کے بارے میں علامہ اقبال کے خیالات دیکھتے ہیں۔ وہ لیڈر کو اکثر میرِ کارواں کہتے ہیں کبھی شاہین یا کبھی مومن کو بھی بطور لیڈر پیش کرتے ہیں۔ لیڈر میں خوئے دل نوازی کو بہت اہم خیال کرتے ہیں۔ خوئے دل نوازی کا انگریزی ترجمہ کریں تو کچھ ایسا تاثر ابھرے گا Soft skills for motivation and conflict resolution۔ آج کے دور کی Management Science میں یہ خوبیاں ایک کامیاب Manager کے لیے انتہائی ضروری ہیں۔ دیکھیے علامہ کیا کہتے ہیں:

کوئی کارواں سے ٹوٹا، کوئی بدگماں حرم سے
کہ امیر کارواں میں نہیں خوئے دل نوازی

ہے کیوں ہجوم زیادہ شراب خانے میں
صرف یہ کہ پیر مغاں ہے مردِ خلیق

دور حاضر میں Leader کی دوسری بڑی خوبی اس کا Visionary ہونا ہے۔ تاکہ وہ دستیاب مواقع (existing opportunities) کو دیکھ سکے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس میں مقصد کو حاصل کرنے کے لیے commitment ہو۔ دوسرے الفاظ میں آج جب ہم کسی کامیاب لیڈر یا مینجر کا ذکر کرتے ہیں تو اس کی کامیابی کو تین زاویوں سے جانچا جاتا ہے۔ ۱۔ اس کا Visision کیا تھا۔ ۲۔ وژن بنانے کے لیے اس کا Mission کیا تھا۔ ۳۔ Vision and Mission کو support کرنے کے لیے اس کی Core Values کیا تھیں۔ یہ تینوں چیزیں اب اس قدر اہم ہوگئی ہیں کہ ان کو کتبے کی شکل میں لکھ کر ادارے میں رکھا جاتا ہے۔ letter pad پر اسے نمایاں کر کے لکھا جاتا ہے۔ اور یہ دور حاضر کی دریافت ہے۔ ۲۵، ۳۰ سال پہلے ان چیزوں کے بارے میں اتنی واقفیت نہیں تھی۔ جب علامہ اقبال کے یہ دو شعر پڑھیں تو لگتا ہے کہ یہ شعر اکیسویں صدی کے کسی مشہور Management Scholar کے ہیں۔

نشانِ راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو
ترس گئے ہیں کسی مردِ راہ داں کے لیے
نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پُرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے

پہلے شعر میں مثالی لیڈر کا خاکہ پیش کیا ہے۔ دوسرے شعر میں اس کی خوبیاں بیان کی ہیں۔ علامہ اقبال نے یہ شعر غالباً ۱۹۳۰ء میں کہے تھے۔ اس وقت برصغیر میں ایسے لیڈر یا مینجر کا ماحول نہیں تھا۔ ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ علامہ اقبال نے اس شعر کا مفہوم مغرب سے لیا ہے۔ کیونکہ وہاں بھی اس وقت لیڈر کا یہ تصور موجود نہیں تھا۔ ۱۹۳۰ء اور اس کے لگ بھگ یورپ پر کساد بازاری کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ سرمایہ داری نظام کی جڑیں مضبوط ہو رہی تھیں۔ مینجر کا کردار ظالم کا تھا اور مزدور مظلوم تھا۔ مشینوں کی حکومت تھی۔ فرد کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ علامہ نے یورپ کے اس دور کی یوں عکاسی کی ہے:

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساسِ مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

ایسے ماحول میں افراد کی اہمیت، احساسِ مروت، میر کارواں کی خوے دل نوازی اور بلند نظری کا بیان علامہ اقبال کو ایک وسیع النظر Management Scholar کے طور پر پیش کرتا ہے۔ ایک بڑی دلچسپ بات ہے کہ آج ہم جن لوگوں کو Management Sciene کے بہت بڑے سکالر کے طور پر جانتے ہیں انھوں نے Management کے صرف ایک ایک پہلو کو بیان کیا ہے۔ مثلاً Stephen Covey نے find your voice کی بات کی ہے۔ Edward De Bono کو thinking کا سکالر مانا جاتا ہے۔ Knowledge Management اور Effective Executive کے حوالے سے Peter Drucker کی پہچان ہے۔ اسی طرح Servant leadership کے حوالے سے Robert Greenleaf کا نام لیا جاتا ہے۔ لیکن علامہ اقبال نے Management کے یہ سارے پہلو اپنے شعروں میں بیان کیے ہیں۔ اس بنا پر ہم کہ سکتے ہیں کہ علامہ اقبال Management کی دنیا کے سب سے بڑے سکالر ہیں۔ خاص طور پر Human Resource Development کی تحریک کے تو وہ بانی ہیں۔ اپنے زورِ تخیل اور نورِ بصیرت کی بنا پر انھوں نے Management کے زریں اصول وقت سے پہلے بیان کر دیے جن سے مغرب کی دنیا آہستہ آہستہ واقف ہوئی اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔

علامہ اقبال اپنے اعلیٰ خیالات کو پیش کرتے ہوئے فرد کی سطح سے اٹھ کر قوم کے مقام پر آجاتے ہیں۔ اور پورے معاشرے کی فلاح کی بات کرتے ہیں۔ ہوس و خود غرضی کی برائی بیان کرتے اور اخوت و محبت کی فراوانی کی تعلیم دیتے ہیں:

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوعِ انساں کو
اخوت کا بیاں ہو جا ، محبت کی زباں ہو جا

سبق پڑھ پھر صداقت کا، شجاعت کا، عدالت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا
یہی مقصودِ فطرت ہے یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہاں گیری ، محبت کی فراوانی

بڑی حیرت کی بات ہے کہ علامہ اقبال کے ان خیالات کی جھلک بھی Management کے تازہ ترین ادب سے مل رہی ہے۔ Servant Leadership اور Spiritual Leadership کا ذکر اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ Stephen Covey کی کتاب *The 8th Habit* اس سلسلے میں بہت زبردست پیش رفت ہے۔ Find your voice جو کہ اس کتاب کا theme song ہے، سارا زور خوابیدہ صلاحیتوں کو صحیح معنوں

میں اجاگر کرنے پر دیتا ہے۔ایک جگہ تو وہ یہاں تک کہتے ہیں کہ "Indentity is Destiny"۔اہل مغرب کا خودی کی پہچان کے سلسلے میں یہ پہلا قدم ہے۔Edward De Bono کی حالیہ کتاب *H+, The New Religion* جو ۲۰۰۶ء میں شائع ہوئی، علامہ اقبال کی زبان بولتی ہے۔ وہ اپنی کتاب کی یوں وضاحت کرتے ہیں:

> In H+ there is only a belief in the potential of yourself and in the potential of your fellow human beings. H+ sets a framework for the development of this potential.

ان سطور سے یہ واضح ہوتا ہے کہ علامہ اقبال ایک غیر روایتی شاعر ہیں۔ ان کی شاعری انسان کو منظّم اور کامیاب زندگی گزارنے کا پیغام دیتی ہے۔ علامہ اقبال نے یہ پیغام ایسے وقت میں دیا جب برصغیر میں ان کے خیالات کو سمجھنے کے لیے عملی طور پر ایسا ماحول نہیں تھا۔ یعنی industrial activity نہ ہونے کے برابر تھی نہ ہی کوئی Enterprising Environment تھا۔ مغرب میں بھی management thought ابتدائی مراحل میں تھا۔ وہاں بھی مشینوں کی حکومت تھی۔ ایسے وقت میں فرد کی اہمیت، جذبۂ شوق اور لیڈر شپ کا بیان علامہ اقبال کی Management کے بارے میں وسعتِ نظری کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

بلاشبہ کلامِ اقبال ہماری میراث ہے مگر ہم نہ اسے خود جان سکے نہ دوسروں کو اس پیغام کے بارے میں بتا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب کی Management Science علامہ اقبال کے نام سے نا آشنا ہے۔ حالانکہ وہ Motivation اور تحقیق و تجسس اور لیڈر شپ کے بہت بڑے سکالر تھے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ علامہ اقبال کے پیغام کو عام کیا جائے کیونکہ یہ ان کی خواہش بھی تھی۔

جوانوں کو مری آہِ سحر دے
پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا! آرزو میری یہی ہے
مرا نورِ بصیرت عام کر دے